عہدِ حاضر میں نفاذ شریعت کا طریقہ کار
(اصولِ تدریج کی روشنی میں)

حافظ محمد سعید احمد عاطف*

دین فطرت اسلام اپنی بنیادوں میں کامل ہے اور اصولی اعتبار سے اس میں کوئی اضافہ یا کمی بیشی ممکن نہیں البتہ قابل غور امر یہ ہے کہ جس معاشرے میں احکام شرعیہ کی تنفیذ اور ان کا اجراء ہونا چاہ رہا ہے وہ معاشرہ کیسا ہے۔اس کی ذہنی اپج ،معاشرتی خدوخال ،سوچ اور فکر کے انداز ، نیز اس کے رسوم ورواج کیا ہیں ۔اوراس میں نفاذ شریعت کا کون سا نہج اور انداز اختیار کیا جائے کہ اس کی بدولت نفاذ شریعت کے پاکیزہ عمل کے نتائج وثمرات سامنے آسکیں اور عوام الناس قلباًاور عملاً اس دین کے قریب تر ہوتے چلے جائیں۔اوراس کی برکات ونتائج کو کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

یہ حقیقت ہے کہ حالات وزمانہ کی رعایت کیے بغیر اور اپنے عہد کے ''عرف'' کونظر انداز کر کے نفاذ شریعت سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کیے جاسکتے کیونکہ معاشرتی حقائق کا ادراک اور طبائع انسانی کی رعایت کئے بغیر نفاذِشریعت سے ایک فتنہ وبغاوت کے ماحول بھی امکان ہے اور عصر موجود کے احوال اور معاشرتی ،سیاسی انداز ،معاشی تغیرات سے عدم توجہی کے سبب مصالح شرعیہ کوضرر پہنچنے کا قوی خدشہ پیدا ہوسکتا ہے۔اپنے زمانے کے حالات اور''عرف'' کونظرانداز کر کے''نفاذشریعت'' کرنا بجائے خود فلسفہ شریعت سے لاعلمی کے مترادف ہے اس ''لاعلمی'' سے ایک طرف دین کی بدنامی اور دوسری جانب اغیار کوزبانِ طعن دراز کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔

اسلام ایک پرحکمت دین ہے جو اپنے نفاذ میں احوال و وقائع اور انسانی مصالح کاخصوصی لحاظ رکھتا ہے۔ نماز روزہ زکوٰۃ جیسی عبادات بھی تدریجاً فرض ہوئیں۔دوسرے پہلو سے دیکھیں تو کچھ محرمات میں بھی''تدریج'' کا انداز اختیار کیا گیا اور تحریم خمر جیسی محرمات کو بھی مختلف مراحل میں حرام کیا گیا۔انسانی نفسیات کا اس طرح سے لحاظ رکھنا دین اسلام کا بنیادی خاصہ ہے۔

عہد حاضر میں نفاذ شریعت کے لیےاسی''اصول'' تدریج کو اختیار کرنا ہوگا۔اصول تدریج کا حاصل یہ ہے کہ

---

* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ایم۔اے۔او۔کالج، لاہور، پاکستان

انسانی ذہن بھی ایک زمین کی طرح ہے اس میں بیج ڈالنے سے قبل مناسب موسم موزوں بیج ، پانی کی دستیابی اور مناسب آب و ہوا و دیگر ضروری احوال کا لحاظ رکھنا جس طرح سے لازم ہے۔ اسی طرح ہمیں دیکھنا ہوگا کہ جس معاشرے میں نفاذ شریعت کا یہ عالی شان عمل مطلوب ہے وہاں کے عرف ، احوال، عادات، انداز حیات اور سماجی رسوم کیا ہیں اور ان کا ممکنہ کا لحاظ رکھنا بھی از بس لازم ہے بصورت دیگر نفاذ شریعت کے نام پر عدم تیاری کے سبب فتنہ وفساد کے ساتھ ساتھ ذہنی ارتداد کا راستہ بھی کھل سکتا ہے۔ لمحہ موجود میں دینی قوتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرے کی ''ذہنی زمین'' کو تربیت ، تعلیم، اور تزکیہ نفوس وقلوب کے ذریعے تیار کریں تا کہ اس میں نفاذ شریعت کا بیج برگ و بار لا کر معاشرے کو اپنی برکات وثمرات کا کھلا مشاہدہ کروا سکے۔

معروضی و زمینی حقائق کی روشنی میں ہمیں دیکھنا ہوگا کہ نفاذ شریعت کا عمل کس طرز کے معاشرے میں مطلوب ہے اگر تو نفاذِ شریعت (Islamization) کا عمل ایسے معاشرے میں ہو جس کی اکثریت کلمہ گو ہو، اس کا آئین بظاہر اسلامی ہو، عبادات اور عقائد میں خاصی حد تک احکام دینیہ کی پابندی کی جاتی ہو، شعائر اسلامیہ کا بظاہر احترام ہو، انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے اہلکار مسلمان ہوں، مساجد اور مراکز دینیہ آباد ہوں، علماء اور واعظین دروس وخطبات اور تحریر وتقریر کے ذریعہ اصلاح احوال کی سعی میں مسلسل مشغول ہوں تو ایسے معاشرے میں قوانین اسلامی کو نہ تو یکبارگی میں نافذ کیا جائے گا اور نہ تدریجاً، بلکہ ''حکمت عملی'' کے اعتبار سے قوانین کی تقسیم ہوگی۔ کچھ تو فوراً نافذ العمل ہوں گے اور کچھ تدریجاً۔

نزول احکام میں تدریج:

یہ عمل کسی پر مخفی نہیں کہ وہ رسوم ورواج جو انسانوں کی فطرت ثانیہ بن چکے ہیں ان کو اگر بیک قدم ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو معاشرے میں طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہوسکتی ہیں اور اس سے انتشار بلکہ بغاوت تک پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے جس سے سارا معاشرتی ڈھانچہ درہم برہم ہوسکتا ہے۔

اسلامی تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو اوائل اسلام کے عرب معاشرہ میں شراب اور جوئے کی عادت بڑی حد تک پختہ ہو چکی تھی۔ اس لئے اسے یکبارگی میں ممنوع وحرام قرار نہیں دیا بلکہ اس میں فطری تقاضے ''تدریج'' کو ملحوظ رکھا اور اس طرح کے قبائح کو متعدد مراحل میں حرام کیا تا کہ طبائع انسانیہ اس کی عادی ہو جائیں اور ان کے لیے انکار اور فرار کی نفسیات پیدا نہ ہوں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کے نظام عبادات میں اکثر عبادات تدریجاً فرض یا مکمل

ہوئیں۔ جیسے فریضہ صلوٰۃ متعدد مراحل میں فرض ہوا۔

عبادات میں تدریج:

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ''**فرض الصلوۃ حین فرضھا رکعتین رکعتین فی الحضرو السفر و زید فی صلوۃ الحضر**''(۱) پہلے نماز میں کلام کرنا، سلام اور چھینک کا جواب دینا، چلنا، اِدھراُدھر دیکھ لینا بھی مباح تھا۔

فرضیت نماز کے اس تدریجی پس منظر کی وضاحت یوں بھی کی گئی ہے:

''تدریجی قانونِ ارتقاء کا تقاضا تھا کہ پہلے ایک، پھر دو نمازیں فرض ہوں اور جب امت کی طبائع عادی ہو جائیں تو رات دن کی کامل نمازوں کا حکم آئے جیسا کہ معراج کے بعد آیا اور ... حکمت الٰہی کا یہی تقاضا تھا۔ علماء محدثین اور پوری امت اسلامی کا اجماع ہے کہ پانچ نمازوں -فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشاء- کی فرضیت اسراء و معراج کے واقعہ کے دوران ہوئی اور آسمان پر اللہ تعالیٰ نے براہِ راست رسولِ اکرم ﷺ کو ان پانچ نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا۔ وہ شروع میں پچاس نمازیں تھیں مگر نبی مکرم کی درخواست پر پانچ کو (اجرو ثواب میں) پچاس کے برابر کر دیا گیا۔ "**ففرض اللّٰہ علیٰ امتی خمسین صلاۃ......فقال: ھی خمس وھی خمسون......**"اور حکمت الٰہی یہی تھی کہ اسلام کے عظیم ترین رکن کا حکم براہ راست زبانِ الٰہی سے رسول اکرم ﷺ کو بلا کر دیا جائے۔''(۲)

معلوم ہوا کہ نماز جیسی بنیادی عبادت بھی مختلف تدریجی مراحل طے کر کے موجودہ صورت و ہیئت تک پہنچی ہے۔

فرضیت صوم چار مراحل میں ہوئی: تفسیر ابن کثیر میں روزہ کی ارتقائی منازل کا ذکر ہے، ان کے مطابق نماز اور روزہ دونوں تین تین مراحل ارتقاء سے گزرے۔ روزے کے تین احوال نبوی یہ تھے: اول اول آپ نے ہر ماہ تین دنوں کے روزے رکھے، دوسرا مرحلہ کہ آپ نے عاشورہ کے روزے رکھے۔ تیسرے مرحلے میں آپ نے رمضان کے روزے رکھے۔(۳)

فرضیت زکوٰۃ تین مراحل میں ہوئی: زکوٰۃ مالی عبادات میں اہم ترین عبادت ہے لیکن اس کے احکام بھی یکبارگی نہیں آئے بلکہ تدریج کے متعدد مراحل طے کر کے زکوٰۃ کا پورا نظام فتح مکہ کے بعد قائم ہوا۔ شروع میں زکوٰۃ

کا لفظ انفاق وخیرات کا ہم معنی تھا۔(۴)

مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ بتدریج وسیع ہونے لگا۔ اموال وغنائم اور زمینیں مسلمانوں کوملیں اور ساتھ تجارت کی آمدنی بھی شروع ہوگئی تا آنکہ اسلام کی فتوحات کے اس دائرے میں ۸ھ کو مکۃ المکرمہ شامل ہوگیا۔ فتح مکہ نے تمام عربوں کو ایک وحدت میں پرو دیا۔ اب ضرورت تھی کہ دیگر امور کے ساتھ ساتھ دین اسلام اپنا نظام مالیات بھی بکمال وتمام نافذ و جاری کرے اور ادھر امت بھی انفاق وخیرات اور صدقۃ الفطر کی عادی ہو چکی تھی۔(۵) اس وقت ۸ھ کو یہ آیت نازل ہوئی: ''خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا''(٦) (اے نبی! آپ ان کے اموال میں سے صدقہ، زکوٰۃ لے کر انہیں پاک کردو)۔اب زکوٰۃ فرض ہوگئی۔ پھر آئندہ برس ۹ھ کو زکوٰۃ کے جملہ احکام وقوانین مرتب ہوئے اور اسی سال آنحضرتﷺ نے سرکاری طور پر محصلین و عاملین زکوٰۃ کا تقرر فرمایا۔

اس طرح باقاعدہ طور پر زکوٰۃ متعدد تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے فرض ہوئی۔ اہل عرب میں مال سے محبت بہت تھی۔ ایسے معاشرے میں احکام زکوٰۃ اگر یکبارگی نازل کر دیئے جاتے تو عین ممکن تھا کہ متعدد فتنوں کے دروازے کھل جاتے اور عوام الناس اسے پوری طرح قبول نہ کرتے لیکن شریعت نے کمال حکمت سے انہیں انفاق و خیرات کی جانب راغب کیا کہیں وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ کی ترغیب دی تو کہیں وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۷) کی ''وعیدی تبشیر'' دی۔ کبھی جمع مال پر ''وَيْلٌ'' کی وعید سنائی اور پھر زکوٰۃ کو مالی ٹیکس کے بجائے ''عبادت'' قرار دے کر ان لوگوں کے قلوب و اذہان میں اس فریضہ کی اہمیت راسخ کر دی۔

مولانا یٰسین مظہر صدیقی اصولِ تدریج اور اس میں آج کے ''عرف'' اور اس کے تقاضوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> قرآن مجید اور حدیثِ نبوی بلکہ پورے اسلام میں جب کوئی حکم دیا جاتا ہے، چاہے حلال کا ہو یا حرام کا، واجب وفرض ہو یا سنت ومستحب، اس کیلئے پہلے سے ذہن سازی شروع کردی جاتی ہے۔ ترغیب وترہیب کا انداز شروع میں اختیار کیا جاتا ہے، اللہ کا تقویٰ، ایمان کے تقاضے، فطرت کے مطالبے کا حوالہ دیا جاتا ہے، پھر امر وحکم کا صریح بیان آتا ہے۔ تمام احکامِ اسلامی میں یہی انداز اختیار کیا گیا ہے۔(۸)

آج کے ماحول میں جب کہ ایسے تمام امور فرد کی طبیعت کے ساتھ ساتھ اجتماعی رسم یا سرکاری عرف

درواج کی صورت اختیار کر گئے ہیں تو ایسے حالات میں اسلام کا موقف بر بنائے مصلحت تاخیر و مہلت سے کام لینا ہے کیونکہ یہ مہلت بے ربط اور بے نتیجہ عجلت سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس ضمن میں ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں تو:

ا۔ معاشرتی حوالے سے شادی بیاہ و دیگر ایسی تقریبات و معاملات میں تبذیر اپنی آخری حدود کو چھو رہی ہے، رسوم پر زور ہے، ناجائز و کالے دھن کی کھلی نمائش ہے، نو دولتیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے معاشرے کی اخلاقی حدود پر شدید ضربیں لگ رہی ہیں جس سے معاشرے میں تضادات کی پرورش ہوتی ہے اور طبقاتی تفریق بڑھتی جا رہی ہے۔ اس سے بدعنوانی اور رشوت کا دروازہ کھلتا ہے۔

اخلاقی پہلو سے فواحش و منکرات کا ایک سیلاب بلاخیز ہے جو حکومتی ایوانوں سے لے کر پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا (Print & Electronic Media) کی بدولت معاشرے میں اخلاقی سرطان کی طرح پھیلتا جا رہا ہے اور اس نے پوری قوم کو بالعموم اور نوجوان نسل کو بالخصوص بے راہرو بنا کر دینی و اخلاقی حدود و قیود و بندشوں سے آزاد کر دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر ''منکر'' معاشرے میں اپنی جگہ بنا رہا ہے اور ''معروف'' کو بری طرح پسپا کیا جا رہا ہے۔

معاشی اعتبار سے ربا (سود) کی وبا سرکاری سطح پر گویا ایک مستقل قانون کا درجہ اختیار کر چکی ہے جس کے مفاسد و نقصانات پوری قوم کو متاثر کر رہے ہیں۔ اس سود کے سبب ملکی و غیر ملکی قرضے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اور قوم اس پھندے میں پھنستی چلی جا رہی ہے۔

اصلاحِ احوال کا انداز

اب ان امور کو بامعان نظر دیکھا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ اور ان جیسے دیگر قبیح امور سے معاشرے (Society) کو بیک قلم محض ''قانون و فقہی زور'' سے پاک نہیں کیا جا سکتا، نہ محض کسی حکم (Order) کے ذریعے ایک دم مزاج کو بدلا جا سکتا ہے۔ شریعت نے بھی مجرد قانون کو کبھی لوگوں کی اصلاح کیلئے کافی نہیں سمجھا بلکہ قانون کے نفاذ سے قبل ان کی ذہنی تربیت کی، جس کا ذریعہ وقت کا نبی ہوتا ہے جن کی اعلیٰ تربیت کے سبب ان افراد کے ذہنوں و مزاجوں میں بہت بڑا انقلاب برپا کر دیا جاتا تھا۔ جب اس طرح سے ''زمین'' نفاذ شریعت کے لیے بتدریج تیار ہو جاتی تو پھر اس میں عمل کا بیج بویا جاتا۔ آج بھی نفاذ شریعت کے اس پاکیزہ عمل میں اللہ اور رسول ﷺ کے عطا کردہ اس فطری طریقہ تدریج کو ہی اختیار کیا جائے گا۔

اس میں یہ عمومی انداز مناسب ہوگا کہ اسراف و تبذیر و دیگر بے جا معاشرتی رسوم و قبائح کو روکنے کیلئے سادگی اور قناعت پسندی کو رواج دیا جائے۔ شادی بیاہ اور دیگر معاملات دین فطرت کے مطابق از حد سادگی سے

سرانجام دیئے جائیں۔ اس ضمن میں حکومت کو حق حاصل ہے کہ اسراف اور فضول خرچی سے بچانے اور عدل و راہ اعتدال اپنانے کیلئے آمدنی و اخراجات کی ایک حد مقرر کر دے۔

''فدوله ان تستلهم هذا التوجيه القرآني للحد من التبذير والاسراف و حيل الناس على القعد والاعتدال۔''(۹)

(چونکہ قرآن نے اسراف و فضول خرچی سے روکا ہے اور لوگوں کو عدل و اعتدال کی زندگی پر ابھارا ہے۔ حکومت اسلامیہ کو حق حاصل ہے کہ وہ ان توجیہات سے حد بندی کا نتیجہ نکالے۔)

اخلاقی برائیوں کی اصلاح اور انسان کی روحانی کمزوریوں کی درستگی کیلئے تربیت و تزکیہ کا مربوط پروگرام ٹھوس بنیادوں پر مرتب کیا جائے۔ حجاب و ستر پوشی کے لوازم کا اہتمام ہو، بے حیائی کا سبب بننے والی پالیسیاں نہ بنائی جائیں، طباعتی و برقی ذرائع ابلاغ(Print & Electronic Media) کا قبلہ درست کیا جائے۔ تعمیر و تطہیر اخلاق پر مبنی ایسے دلچسپ پروگرام پیش کئے جائیں جو تعمیر شخصیت میں معاون ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی اخلاق و تبلیغ کے پورے نظام کو اس کے جملہ لوازم کے ساتھ قائم کیا جائے تا کہ معاشرے میں تبدیلی نظر آئے۔

ربا کو ختم کرنے کیلئے اسلام کا نظامِ زکوٰۃ و نظامِ صدقات نافذ کیا جائے، امداد باہمی کی حوصلہ افزائی کی جائے، لوگوں کی آمدنیوں کو حلال طریقے سے بڑھانے کے ذرائع عام کئے جائیں، انفاق فی سبیل اللہ کی فضا پیدا کی جائے اور مشارکت و مضاربت کے ساتھ ساتھ دیگر اسلامی ذرائع معیشت کو بروئے کار لایا جائے۔ پھر اس کے بعد سودی نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے تا کہ معاشرہ کا اللہ سے محاربہ ختم کیا جاسکے۔

سیاسی پہلو سے اسمبلیوں میں خرید و فروخت کی کھلی منڈی لگی ہوئی ہے، سیاست عوام کی فلاح کے بجائے سرمایہ داروں کثیر الملکی اداروں(Multi-National Companies) کی چاکری میں ڈھل چکی ہے۔ چند مستثنیات کے علاوہ ہر مدعی سیاست کا دامن اخلاقی و مالی آلودگیوں سے اٹا پڑا ہے۔ حزب الشیطان ان میں باہمی تقسیم کر کے اپنے شیطانی مقاصد کی برسر اقتدار طبقہ اور نام نہاد ''اپوزیشن'' کے ذریعہ ''متفقہ'' تکمیل کروا رہی ہے۔ اب سیاست کے اس اخلاق باختہ میدان میں اخلاقیات کا دم گھٹتا چلا جا رہا ہے۔

میدانِ سیاست اس اہم شعبہ میں خدمت خلق کے سانچے میں ڈھلے نیک سیرت افراد کو ہی آگے لایا جائے اور ساتھ ہی ان کے احتساب کا کڑا نظم بھی ہو جو انہیں اختیارات کی کرپشن سے بچا سکے۔ مختلف عنوانات اور انداز کمیشن اور اس طرح کے دیگر قبائح کو روکنا ہر سیاسی پارٹی کے پروگرام کا حصہ ہو، تمام سیاسی جماعتوں کے اہداف

میں اعلیٰ اخلاقیات کی پاسداری بھی شامل ہو اور اقربا پروری، دولت، دھونس کی بجائے ''اخلاقی میرٹ'' پر امیدواروں کا فیصلہ کیا جائے۔

اخلاقی، معاشرتی و معاشی اور دیگر ایسے امور میں اصلاح کیلئے یکبارگی کی بجائے تدریج کو اختیار کیا جائے۔ جب اس ''عمل تدریج'' کے سبب اذہان وقلوب اور عادات وخصائل اسلامی اصلاحات کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں اور ان کے اندر کسی قسم کی منفی مزاحمت نہ رہے تو پھر اس تدریجی عمل کو تکمیل تک پہنچا دیا جائے۔

نظام تعلیم کی اصلاح معاشرے میں تبدیلی پیدا کرنے کیلئے تبلیغ وموعظت اور مختلف شعبہ جات میں مؤثر اقدامات کے ساتھ ساتھ اہم ترین مسئلہ نظام تعلیم کا درست ہونا ہے۔

عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص انگریزی استعمار کا نظام تعلیم رائج رہا ہے۔ اس نظام تعلیم کو انگریزوں نے اپنے مخصوص مفادات کے تحت مرتب کیا تھا تاکہ انہیں استعماری مقاصد کیلئے آلہ کار میسر آتے رہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ہم اپنے خطے و حالات اور مذہبی روح کے تناظر میں ایک حقیقی اسلامی اور ترقی پسند نظام تعلیم تشکیل دیتے اور اس غلامانہ واستحصالی نظامِ تعلیم کا جوا اتار پھینکتے۔ لیکن افسوس کہ بوجوہ یہ استعماری نظام تعلیم جزوی تبدیلیوں کے ساتھ تاحال نافذ ہے اور بدستور اپنی مضرتوں کو پھیلا رہا ہے جس سے معاشرہ میں تقسیم وخلیج بڑھتی جارہی ہے۔ نتیجتاً نفاذ شریعت کے حوالے سے مطلوبہ صلاحیتوں کے حامل افراد ہی میسر نہیں آتے اور دوسرے اس مکروہ نظامِ تعلیم میں ڈھلے ہوئے افراد کی اکثریت (الا ماشاء اللہ) اپنی مخصوص ذہنی اپج کی بنا پر نفاذ شریعت میں تعاون نہیں کرتی اور اس کی کامیابی میں طرح طرح کی سازشیں کرتی ہے اور پھر اس مکروہ عمل میں میڈیا کو بھی استعمال کیا جاتا ہے۔۔ یہ نظامِ تعلیم استعمار کی ایک منظم سازش کا حصہ ہے جسے وہ دین اور دینی اخلاق نیز امت محمدیہ کے خلاف مدت سے استعمال کررہے ہیں۔ بایں اسباب دیسی اذہان میں بدیسی سوچ بخوبی جڑ پکڑ چکی ہے اور استعمار جو کچھ تیغ وتفنگ اور توپ وبم سے حاصل نہ کر پایا تھا وہ اس نظامِ تعلیم کے ذریعے پوری طرح حاصل کر رہا ہے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے ادھر پھیر

اس لئے نفاذِ شریعت کے حوالے سے سب سے پہلا کرنے کا کام یہی ہے کہ اسلامی نظامِ تعلیم کو تمام کلیات وفروعات اور حکمت کے جملہ لوازمات کا لحاظ رکھتے ہوئے فوراً نافذ کر دیا جائے۔

یہ حقیقت ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں ڈھلے ہوئے افراد ہی مختلف حکومتی شعبہ جات (Departments) میں حقیقی و دیرپا تبدیلیاں لا سکتے ہیں۔ نفاذِ اسلام کیلئے ہمیں یہی انداز اپنانا ہوگا، کیونکہ جب رجال کار تیار ہونگے تو

کسی نظام کو چلانا ممکن ہو سکے گا۔ یہی طریقہ فطری اور نبویؐ نہج کے قریب تر ہے۔ تمام انبیاء کرام نے لوگوں کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھا ہے(۱۰) اور بالخصوص آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مکی دور تو خالصتاً تعلیم وتربیت کا دور ہے اور آج بھی اسلامی تعلیم وتربیت کے مرحلے سے تدریجاً گزر کر ہی نفاذ اسلام کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جسے طے کر کے معاشرے میں اسلامی اقدار کو راسخ اور قوانین کو نافذ کرنا ممکن ہے۔ ''اصول تدریج'' کی اس اہم سیڑھی، اسلامی نظام تعلیم کو نظر انداز کر کے اسلامی قوانین کے ثمرات و برکات سے پوری طرح متمتع ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔

ایک اہم سوال:

''تدریج'' کے حوالے سے یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہمارے پاس کون سا ایسا معیار ہے جس کے مطابق ہم تدریجی ترتیب کو قائم رکھ کر یہ فیصلہ کر سکیں کہ تدریج کا پہلا مرحلہ اب مکمل ہو گیا ہے اور قوم دوسرے مرحلے کی قبولیت کے لئے آمادہ وتیار ہے۔

اس معاملے میں اولاً تو یہ دیکھا جائے گا کہ افراد معاشرہ -عوام الناس- کیلئے ماحول اور فضا کو مختلف حوالوں سے کس حد تک سازگار بنایا گیا ہے، پھر اس سازگار فضا کے اثرات کو دیکھنے کیلئے حالات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک موزوں ومناسب دورانیہ (Time Schedule) بھی مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اس دورانیہ کے طے ہو جانے کے بعد جو لوگ خود کو اس اسلامی سانچے میں نہ ڈھالیں انہیں زجر وتوبیخ سے اس کا پابند کیا جائے اور اگر اس کے بعد بھی اس سانچے میں نہ ڈھلیں تو پھر ان کے ساتھ کوئی رورعایت نہ برتی جائے۔ (یاد رہے کہ اس تمام عمل میں اسلامی حکمت و موعظت کے لوازم کو بطریق احسن ملحوظ رکھنا چاہئے۔)

اس دورانیہ کے بعد معاشرے کے تمام احوال، معاملات، اخلاقیات اور عبادات وغیرہ سے اس تبدیلی کا محتاط اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ افراد معاشرہ اور سوسائٹی کے احوال و معاشرت کے انداز میں کس قدر تبدیلی آئی۔ کن چیزوں کو قبول کیا گیا اور کن کن پہلوؤں کے حوصلہ افزا نتائج نہیں آ سکے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ طبیعتوں کی تبدیلی سے احوال تبدیل ہوتے ہیں اور ہر صاحب بصیرت شخص اس تبدیلی کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ کس قدر اسلامی اقدار راسخ ہو گئی ہیں اور کتنی ہیں جو ابھی ابتدائی درجے میں ہیں۔ اس طریقہ تدریج کے سبب معاشرے میں جو تبدیلی آئے گی وہ دیرپا ہوگی اور اس کے اثرات نسلوں تک باقی رہیں گے کیونکہ اخلاص نیت کے ساتھ ساتھ جب تک ''احکام شرعیہ'' کی بصیرت نہ ہو تب تک مقاصد شریعت حاصل نہیں ہو پاتے اور انسان کے اندر سے تبدیلی کیلئے اسے ''بتدریج'' تیار

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

عوام کی ''بتدریج'' اصلاح کی جاتی ہو وہ کبھی مؤثر نہیں ہوسکتی تھی کہ لوگ تو عملی صورت حال کو دیکھتے ہیں۔ اس لئے آپ نے ان تمام غصب شدہ جاگیروں کو بیک قلم ختم کرنا ضروری سمجھا۔ وگرنہ اونچ نیچ کا جاگیردارانہ سماج وجود میں آنے کا خطرہ درآتا اور اس کے ساتھ ساتھ بیت المال کے تقدس کو بحال کرنے کے لیے بھی اس طرح کے اقدامات ضروری تھے آپ کے اس جرأت مندانہ فعل سے عوام میں تبدیلی کا پیغام (message) پہنچا۔ کیونکہ اصلاحِ احوال کی ابتدا اپنی ذات اور خاندان سے ہونی چاہیے، بالخصوص جب وہ بگڑا ہوا ہو۔

ایسے معاشرے میں جہاں عمومی خرابی اتنی گہری نہ ہو بلکہ کسی فرد یا مخصوص خاندان کی اصلاح سے احوال میں تبدیلی آنے کا یقین ہو تو تب فوری اقدامات کیے جائیں گے اور ایسے افراد و خانوادوں کی اصلاح کیلئے ہر ممکنہ طریقہ اختیار کیا جائے گا اور یہاں کسی ''تدریج'' کا سہارا نہیں لیا جائے گا۔ ایسے ہی آپ نے شاہی خاندان کی جاگیروں و دیگر قطعات کے کاغذات بھی طلب فرمائے اور ان تمام اسنادِ کو قینچی سے کاٹ کاٹ کر پھینک دیا۔ (۱۴) پھر آپ حکومتی امور کی طرف متوجہ ہوئے جو حد درجہ بگاڑ تک پہنچ چکے تھے۔ دیگر عمّال اور سرکاری ملازمین کو شریعت مطہرہ کے احکام کی پیروی کا حکم دیا اور کئی ایک بدعات کو کلیۃً ختم کر دیا۔ (۱۵)

ان اقدامات میں آپ نے کسی ''تدریج'' کا لحاظ نہیں رکھا کیونکہ حدود شرعیہ سے روگردانی اور غصب مال اور ظلم کی روش کو برداشت کرنا اس الٰہی دین کی شان و حکمت کے یکسر خلاف تھا۔ اس لئے آپ نے فوراً عملی اقدام کیا اور کسی ردِّعمل کی کوئی پروا نہیں فرمائی۔

اس خانوادۂ شاہی کے بعد سرکاری عمال کی اصلاح ضروری تھی کیونکہ یہ حکومت سے تنخواہ پاتے ہیں۔ اگر عمالِ حکومت درست نہ ہوئے تو ''اوامر حسنہ'' کا کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ اس لئے یہاں بھی ''تدریج'' نہیں بلکہ فوری اصلاح درکار ہوگی۔ تاہم انسانی طبائع و مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے ملازمین کیلئے کچھ وقت (Time Period) متعین کیا جاسکتا ہے۔

ان امثال و دلائل سے واضح ہوا کہ ''تدریج'' دین کا ایک پرحکمت اصول ہے اور بالعموم اس کا لحاظ و خیال رکھا جانا چاہئے لیکن محض ''تدریج'' کے سبب شریعت کو معطل نہیں کیا جاسکتا بلکہ نفاذِ اسلام کیلئے اخلاص نیت اور تدریج و حکمت کے ساتھ ساتھ جرأت مندانہ اقدامات ہی معاشرہ میں مؤثر تبدیلی لا سکتے ہیں۔

حل طلب مسئلہ کیلئے کیا طریقہ کار ہو؟

تدریج کے حوالے سے ایک معاملہ یہ درپیش ہوتا ہے کہ نفاذ شریعت کے ضمن میں اگر کوئی نیا (معاشرتی)

مسئلہ پیدا ہو جائے تو سوسائٹی کے ذہنی میلان و عادات کے حوالے سے شارع کے احکام میں موجود توسع کے کس پہلو کو اختیار کیا جائے کہ جس سے بہتر نتائج نکلنے کی امید ہو یا ایسے ہی نظام مالیات ومعاشیات میں کوئی دشواری پیش آ جائے یا عدالتی نظام میں جدید ایجادات و اختراعات کی بدولت ''ثبوت جرم'' وغیرہ کے حوالے سے دقتیں و الجھنیں پیدا ہو جائیں تو ایسے یا اس سے ملتے جلتے مسائل کے حل وکشود کیلئے کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے؟ ذیل میں اس کے لیے کچھ تجاویز پیش کی جا رہی ہیں۔

اولاً: اس معاملے میں قرآن وسنت وفقہ اسلامی کے منقول ذخیرے سے مربوط استفادہ کیا جائے، وہاں سے ہمیں بالیقین ایسے اجمالات واشارات میسر آ جائیں گے کہ جن کی بدولت ان الجھنوں کو سلجھانے کی سبیل پیدا ہو سکے۔

ثانیاً: اس سلسلے میں عہد حاضر کے مسلم مفکرین اور اداروں نے اتنا کچھ کام کر دیا ہے کہ اگر اس سے حکمت کے ساتھ اپنے ''عرف'' کو ملحوظ رکھتے ہوئے استفادہ کیا جائے تو ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ افراد اور ادارے زمانی اعتبار سے ہمارے عہد کے قریب تر ہیں اس لئے ان کی تشریحات و توضیحات اور اس کے استنباط واستخراج کو سمجھنا بھی قدرے آسان ہے۔

ثالثاً: دنیا بھر میں پھیلے ہوئے علماء ومحققین سے مدد حاصل کی جائے۔ مزید برآں جامعۃ الازھر، ایسے اداروں میں اس بارے میں موجود تحقیق سے استفادہ کیا جائے اور ''مجلة الأحكام العدلية'' ایسے نسبتاً جدید مجموعہ قوانین سے فائدہ اٹھایا جائے۔

رابعاً: جن ممالک میں نفاذ شریعت(Islamization) کے حوالے سے کچھ کام ہو چکا ہے، مثلاً سعودیہ، مصر، ترکی، شام، سوڈان وغیرہ۔ ان میں سے جس کا معاشرتی ماحول اور عرف ورواج، اس ملک کے ساتھ ہم آہنگ ہو جہاں قانون کا نفاذ مطلوب ہے اسے اختیار کیا جائے۔

خامساً: علوم شرعیہ کے پختہ فکر وصاحب نظر متبحر علماء اور جدید قانون کے ماہرین پر مشتمل ایک قومی اجتہادی ادارہ قائم کیا جائے۔ اس ادارے میں فقہ اسلامی کے جملہ مکاتب فکر(Schools of Thaught) سے اور جدید اسلامی وفقہی اداروں سے مربوط استفادہ کیا جائے۔ یہاں باہمی بحث وتمحیص، تبادلہ افکار اور تنقیح ہو، پھر ''قومی اجتہادی ادارہ'' ان سب ذرائع سے مدد لے کر اپنے ملک کے رسم ورواج اور عادات وعرف کو ملحوظ رکھ کر نہ صرف عملی اقدام تجویز کرے بلکہ اسے لاگو بھی کرے۔(۱۶)

حکومتی اختیارات و پالیسی (مصالح کی رعایت):

نفاذ شریعت کے اس مرحلے میں حکومت وقت کو کس طرح کے اختیارات حاصل ہیں کہ جن کو وہ بروئے کار لاسکتی ہے اور اس میں عوام الناس کے حالات و کیفیات کا کس قدر لحاظ ممکن ہے نیز کن کن پہلوؤں پر مصالح کی رعایت کی گنجائش ہے اور اسکی حدود و قیود کیا ہیں ایسے ہی شرعی احکام کی تنفیذ میں حکومت اسلامیہ کو کچھ اختیارات حاصل ہیں جن کی بناپر وہ از روئے حکمت و مصلحت ''مخصوص اقدامات'' کرسکتی ہے تاکہ لوگ عملاً دین کے قریب آئیں۔ البتہ ان اقدامات کی وسعت و گنجائش اسلامی حدود و قیود سے مشروط ہے۔ اس لئے کہ ''ان **مقصوده اقامة العدل بين عباده و قيام الناس بالقسط فأى طريق استخرج بها العدل والقسط فهى من الدين ليست مخالفة له**''(۱۷) (اللہ تعالیٰ کا مقصود بندوں کے درمیان عدل قائم کرنا اور انصاف پر لوگوں کو مضبوط کرنا ہے اور وہ طریقہ جس سے عدل وانصاف کی نمو ہوگی وہ صرف دین ہے۔ اس سے ہٹ کر نہیں۔ اب جس طریقہ سے بھی عدل وانصاف کی نمو ہوگی وہ دین سے ہوگا۔ دین کے خلاف نہ ہوگا۔)

اس ضمن میں حکومت اسلامیہ کے اختیارات وممکنہ اقدامات کے متعلق امام ابو یوسف، ہارون الرشید سے کہتے ہیں: ''جس اقدام میں آپ سمجھیں کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ رعایا کے امور کی اصلاح فرمائے گا اس میں تاخیر نہ کیجئے۔ مجھے امید ہے کہ اس میں وسعت ہے۔'' اسی طرح آپ نے ایک اور مقام پر یوں ہدایت دی:

''**وارجو ان يكون ذلك موسعا عليه فيكف ماشآء ومن ذلک فعل**''(۱۸)

(مجھے امید ہے کہ حکومت جو بھی مناسب سمجھ کر کرے گی اس کیلئے اس میں وسعت اور گنجائش ہے۔)

اسی طرح حکومت سزا دینے میں بھی حدود کے علاوہ تعزیرات میں خاص احتیاط اور حکمت سے کام لے گی تاکہ ان سزاؤں کے نفاذ کے سبب معاشرہ میں جرائم کی بیخ کنی یا کمی ہوسکے۔

حکمت کا تقاضا ہوا تو ایسا کرنا بھی حکومت کیلئے جائز ہے۔ ﴿**انما ذالک موکول الیٰ اجتهاد الحاکم**﴾ اس حکمت کو آپ چاہیں تو تدریج قرار دے دیں کیونکہ ''تدریج'' بھی ''حکمت'' ہی کی ایک قسم ہے۔ تدریج اور حکمت دونوں کا مآل یہ ہے کہ نفاذ شریعت کے نتائج کو مؤثر و کامل طریق پر حاصل کیا جائے اور ان حصولِ نتائج کیلئے انسانی طبائع و عادات کا لحاظ رکھا جائے۔

اور حکومت اسلامیہ امن عامہ کے احوال کے مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی سزا کے نفاذ میں تقدیم وتاخیر کرسکتی ہے یا کسی سزا کی بطور تادیب اور حکومتی دبدبہ ڈلا کے تشہیر کرسکتی ہے اور کسی فتنہ کو فرو کرنے کیلئے ایک خاص حد تک''

سختی'' بھی برت سکتی ہے۔

اس حوالے سے تعزیرات کے باب میں حکومت کو جو اختیار و مصالح حاصل ہیں ایک صاحب نظر اس کا یوں جائزہ لیتے ہیں: ''تعزیر کی نوعیت میں بھی کافی وسعت ہے کہ حکومت حسب حال جو سزا اور جس مقدار میں چاہے مقرر کرے۔ مثلاً مارنا، قید کرنا، منہ کالا کرنا، جانور پر الٹا سوار کر کے پھرانا، ترک تعلق کا حکم دینا، عہدے اور ملازمت سے سبکدوش کرنا، کسی خدمت سے محروم کر دینا، بار بار جرم کے مرتکب کو قتل کا حکم دینا وغیرہ۔''(۱۹)

یہ سب حاکم کے اجتہاد کے سپرد ہے۔ سزا اور اس کی مقدار کی تجویز میں جرم کی کثرت وقلت، اس کی جسامت وضخامت اور مجرم کی حالت وکیفیت سب پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر تجویز وتشخیص میں تعزیری سزائیں حدود سے تجاوز کر جائیں تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ **یجوز للحاکم ان یجاوز الحدود فی التعزیر،** حاکم کیلئے ''تعذیر'' میں ''حدود'' سے تجاوز کرنا جائز ہے۔ جسمانی سزا کے بجائے مالی سزا دینے کی بھی اجازت ہے: **ان التعزیر من السلطان بآخذ المال جائز۔** تعزیر میں بادشاہ (حکومت) کی طرف سے مال لینا جائز ہے۔ کبھی نصیحت و سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ تعذیر کا کام دیتی ہے اور مزید سزا کی ضرورت نہیں رہتی۔ **فقد یعزر الرجل یوعظہ و تو بیخہ والاغلاطلہ۔** کبھی انسان کو نصیحت، سرزنش اور سخت کلامی کے ساتھ تعذیر کی جاتی ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں تعذیر کسی معین فعل یا معین قول کے ساتھ مخصوص نہیں رہتی بلکہ حسب حال اس میں کافی وسعت اور گنجائش نکل آتی ہے۔ **والتعزیر لا یختص بفعل معین ولا قول معین۔** (۲۰) تعزیر کسی فعل اور معین قول کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ حکومت اسلامیہ کو مختلف امور کے بارے میں کچھ اختیارات حاصل ہیں کہ جن سے وہ بوقت ضرورت متمتع ہو سکتی ہے لیکن اس تمتع میں بھی اس کیلئے جس قدر گنجائش ہے وہ دینی حدود سے مقید ہے۔ جیسے قاعدہ مصلحت کے تحت وہ کسی امر کو مقدم یا مؤخر کر سکتی ہے یا عارضی طور پر کسی خاص حق پر مخصوص مدت کے لیے قدغن لگا سکتی ہے تا کہ فتنہ فرو ہو جائے یا اور حکومت اسلامیہ کا یہ امر خلاف دین متصور نہ ہوگا۔ جس طرح کہ اسلامی حکومت کو قضا کے باب میں کچھ اختیارات حاصل ہیں اور وہاں یہ اصول ہے کہ:

''**والتعزیر فی مقدار ذلک الی الامام و بین ذالک علی قدر جریمہ**''(۲۱)

(تعزیر کی مقدار حکومت کے سپرد ہے اور اس کا مدار جرم کی جسامت پر ہے۔) اور ''**جاز لو الی الامر ان یراعی الافلح فی العفو والتعذیر**''(۲۲) (معافی اور تعذیر میں جو زیادہ مناسب حالات ہو حکومت کے لئے اس

کی رعایت جائز ہے۔)

"والاصل ان من الجنايات العظيمة ما يتعين ولكن سقطت بشبهة و فی هذا فساد ظاهر فيا لامر للامام بالتردی فيه للعمل برايه" (۲۳) (ایسی بڑی جنایتوں میں کہ جہاں سزا متعین نہ ہو یا متعین تو ہو لیکن شبہ کی وجہ سے ساقط ہو اور سزا دینے میں واضح طور پر فساد کا خطرہ ہو تو امام حکومت کو غور وفکر کے ساتھ اپنی رائے پر عمل کرنے کا حکم دیا جائے گا۔)

درج ذیل عبارت سے حکومتی اختیار کی مزید توضیح ہوتی ہے:

"للامام ان يجتهد فيهم فيقتل من رأى قتله مصلحه وان كان له يقتل مثل ان يكون رئيسا مطاعا فيها ويقطع من رأى قطعه مصلحة وان كان لم يأخذ المال مثل أن يكون يلجد قوة فی أخذ المال" (۲۴)

(امام حکومت کیلئے جائز ہے کہ اس شخص کے بارے میں اچھی طرح سوچ لے جس کے قتل کرنے میں اسلامی حکومت کی مصلحت ہو اگر چہ اس نے بظاہر کوئی قتل نہ کیا ہو۔ جیسے کوئی نمایاں شخص یا کوئی پارٹی لیڈر اور اس طرح حکومت اسلامیہ اس قسم کے اشخاص میں سے جس کے ہاتھ کاٹنے میں مصلحت سمجھے، اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے، اگر چہ اس نے بظاہر مال نہ لیا ہو۔ مثلاً کوئی شخص مال کے ناحق لینے میں نہایت قوی و دلیر ہو۔)

یہ اور اس قسم کی جتنی مصلحتیں بھی حکومت اسلامیہ کو درپیش ہوں تو وہ ان میں شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی بھی مناسب حالات حکمت عملی بنا سکتی ہے۔ اسلام میں چونکہ دین دنیا کی تفریق و دوئی کا کوئی تصور نہیں یہ دین حسنة الدنيا و حسنة الآخره کا داعی و ترجمان ہے۔ اس لئے اس میں دین و دنیا کے مصالح یکساں اہمیت کے حامل ہوں گے۔

"واعلم ان مصالح الآخرة لا تتم الا بمعظم مصالح الدنيا كالمآ كل والمشارب والمناكح و كثير من المنافع" (۲۵)

(یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آخرت کے مصالح اس وقت تک پورے نہیں ہو سکتے جب تک دنیا کے اہم مصالح کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ جیسے کھانا، پینا، شادی بیاہ اور دیگر بہت سے مصالح کا حصول) اور **"إنّ المصلحة مقصد للشارع باتفاق الائمة جميعا"** (۲۶)

علامہ ابن قیمؒ اس پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''فان الشریعة منها وأساسها علی الحکم و مصالح العباد فی المعاش والمعاد وھی عدل کلها ومصالح کلها و حکمة کلها فکل مسئلة خرجت من العدل الیٰ الجور و عن الرحمة الیٰ ضدها وعن المصلحة الیٰ المفسدة وعن الحکمة الای العبث فلیست الشریعة وان أدخل فیها بالتاویل''(۲۷)

(شریعت اسلامیہ کا مدار حکمتوں اور دنیوی واخروی زندگی کی مصلحتوں پر ہے۔ شریعت مجسمہ عدل ورحمت ہے۔ اس میں تمام تر حکمت و ''مصلحت'' موجود ہے لہٰذا جو مسئلہ بھی عدل سے جور کی طرف رحمت سے زحمت کی طرف مصلحت سے مفسدہ کی طرف اور حکمت سے عبث ولغو کی طرف سے جائے گا وہ شریعت کا مسئلہ نہ ہوگا اگرچہ تاویل کے ذریعہ شریعت میں داخل کرلیا جائے۔)

''انّ النفوس لا تقبل الحق الا بما یستیقن به من حظوظها التی هی محتاجة الیها فتکون تلک الحظوظ عبادة''(۲۸)

(دنیوی زندگی میں جن چیزوں کی احتیاج سے اور مدد ومعاون ہیں ان کے بغیر لوگ حق کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ اس بنا پر دنیوی حظوظ بھی عبادت میں شمار ہوں گے۔)

اوپر پیش کیے گئے دلائل سے معلوم ہوا کہ اسلامی حکومت کو معاشرے میں نفاذ شریعت میں مصالح کا لحاظ رکھنے کی گنجائش حاصل ہے اس ضمن میں وہ جو بھی اقدامات کرے گی انہیں بھی ضمناً تشریحات دین ہی متصور کیا جائے گا بشرطیکہ یہ اقدامات ''روحِ دین'' سے متصادم نہ ہوں۔

بقول علامہ ابن قیمؒ ''فاذا ظهرت امارات الحق وأدلته بأی طریق فذلک من شرع ودینه و رضاه و أمره''(۲۹)

جب حق کی علامتیں ودلیلیں ظاہر ہوں تو جس طریقہ سے بھی ہوں وہ شرع اور دین ہوگا اور دین ہوگا اور اسی میں اللہ کی رضا اور حکم ہوگا۔ یعنی ''اولی الامر'' اگر صالح اور رسوخ فی العلم کے حامل ہیں تو وہ منشائے شریعت پورا کرنے میں کسی بھی انداز کی تدریج اور تشریح کو اختیار کر سکتے ہیں۔ انہیں مصلحت عامہ اور طبائع انسانیہ کے لحاظ کے ساتھ ساتھ تنفیذ شریعت کا عزم مصمم بھی کرنا ہوگا اور کسی بھی ''عمل تدریج'' کو سست روی کا شکار ہونے سے بچانا ہوگا مصلحتوں کا لحاظ بھی ارادہ وسعی سے مشروط ہے کیونکہ نفاذ اور احکام اعمال کے اپنے تقاضے ہوا کرتے ہیں جنہیں نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔

عہد حاضر کی نزاکتیں: عہد حاضر کی بین الاقوامیت نے ایک نئی صورت حالات پیدا کر دی ہے اب دنیا میں کسی ایک جگہ کے حالات اور حادثات کا اثر پوری دنیا کی سیاست و معیشت پر پڑتا ہے۔ایسے میں اسلامی قوتوں کو از حد محتاط ہو کر چلنا ہو گا۔

یہ امر واضح ہے کہ اساسی عقائد و فرائض، معروفات اور چند دیگر مستثنیات کے سوا نفاذ شریعت کی سعی صرف تدریجی طریقہ پر ہی بارآور ہو سکتی ہے اور افراد معاشرہ کی ذہنی کیفیت کا لحاظ رکھنا ''سنت اللہ'' ہے۔ پیغمبر اعظم ﷺ نے آخر لوگوں کی اس حالت کا لحاظ کرتے ہوئے کعبۃ اللہ کی موجودہ ہیئت میں تبدیلی نہیں فرمائی۔(۳۰) اور حطیم کو پرانے انداز پر ہی قائم رکھا۔

اسی طرح تدریج کی حکمت کی جانب عمر ثانی عمر بن عبدالعزیز کا ایک واقعہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ایک مرتبہ صاحبزادہ عبدالمالک نے احکام کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا:

''آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ احکام نافذ نہیں کرتے ہیں۔ بخدا! اگر حق کے معاملے میں ہانڈیوں کو ابال آجائے جب بھی میں اس کی پروانہیں کرتا ہوں۔'' جواباً آپ نے جو پُر حکمت بات ارشاد فرمائی وہ نفاذ دین میں ''تدریج'' کی حکمت عملی کو واضح کر دیتی ہے۔

''لا تعجل يابنى فان الله ذم الخمر فى القرآن مرتين فحر منها فى الثالثة و انى أخاف أن أحمل الحق على الناس جملة فيدفعه جملة فيكون من ذافتنه''(۳۱)

(بیٹے جلدی نہ کرو، دیکھو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دو مرتبہ شراب کی برائی بیان کی اور تیسری مرتبہ اس کو حرام کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر حق لوگوں پر دفعتاً مسلط کر دوں تو وہ اس کو دفعتاً اتار پھینکیں گے اور اس سے مستقل فتنہ رونما ہو گا۔)

اس جملے میں نفاذ شریعت کے داعیوں کے لئے ایک عظیم سبق پوشیدہ ہے کہ کس طرح عوام کی ذہنی حالت و کیفیت کو مدنظر رکھے بغیر محض قانون کے زور سے ''نفاذِ دین'' بسا اوقات، فسادِ دین کا پیش خیمہ بن جایا کرتا ہے۔(۳۲) اس لیے فرائض شریعہ کے علاوہ دیگر احکام کی تنفیذ میں عوام کے رجحانات، حالات اور وقائع کا لحاظ ضروری ہے محض ''فضائل آشنا'' معاشرہ پر نفاذ شریعت کرنے سے لوگوں میں ایک ذہنی و فکری ارتداد پھیل جاتا ہے اور وہ دین کے لیے اپنی عادات و معمولات کو نہیں بدلتے۔ ان کے ان رویوں کے سبب جب نفاذ شریعت کے نتائج سامنے نہیں آتے۔ تو عوام الناس مایوس ہو جاتے ہیں۔اس لیے ضروری ہے کہ اولاً ان کے احوال و زمانہ اور عرف و حالات کا مفصل جائزہ لیا جائے

۔پھر ان کے رجحانات کو تبدیل کرنے کی سعی مسلسل ہو۔ اور پھر ''آسانی سے مشکل'' کے اصول کو مدنظر رکھا جائے۔ یاد رہے کہ شریعت مطہرہ کے کوئی بھی احکام مشکل یا ناقابل عمل نہیں۔

مسئلہ تو نفاذ شریعت سے حصول نتائج اور معاشرے پر اس کے اثرات کا ہے وگرنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اوپر نقل کردہ خطرات معاشرے میں در آئیں گے۔ اور فائدے سے بڑھ کر نقصان واقع ہو جائے گا انہی وجوہ کی بناء پر فقہاء ومحدثین اور علمائے اسلام نے ہمیشہ اسی تدریج کی حکمت کو پیش نظر رکھا ہے اور اپنے اپنے عہد کے تقاضوں کی روشنی میں شریعت اسلامیہ کی ایسی وقیع توضیحات کی ہیں کہ جنہیں اختیار کرنے سے نفاذ شریعت کے ثمرات اور برکات ہر ذی شعور انسان کو نظر آتے ہیں۔

مفتی محمد شفیعؒ اس معاملے کی حکمت یوں واضح کرتے ہیں:

''ذرا سا غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ شریعت اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کیلئے کبھی کافی نہیں سمجھا، بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت وریاضت اور فکر آخرت کے کیمیاوی نسخے سے ان کے مزاجوں میں بڑا انقلاب لاکر ایسے افراد پیدا کر دیئے جو رسول ﷺ کی آواز پر اپنی جان ومال، آبرو، سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہو جائیں۔ مکی زندگی کے پورے دور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا۔ جب جانثاروں کی جماعت تیار ہوگئی اس وقت قانون جاری کر دیا گیا۔(۳۳)

ڈاکٹر محمود احمد غازی تدریج کی ایک حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

آہستہ آہستہ اور تدریج کے ساتھ آنے والی تبدیلی زیادہ دیرپا ہوتی ہے اور زیادہ گہری بھی ہوتی ہے۔ یہ خود نفسیات کا ایک نکتہ ہے کہ لوگوں کے مزاج، لوگوں کی عادات اور خصائل کو اچانک تبدیل کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ماضی سے یکدم اور قطعیت کے ساتھ قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ بیشتر لوگ ماضی سے اچانک لاتعلق نہیں ہو پاتے۔ بعض اوقات ماضی کی کسی چیز کے ساتھ اتنی گہری وابستگی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کو چھوڑنے پر تیار بھی ہو تو تب بھی اس کا امکان موجود رہتا ہے کہ اس کو پورے طور پر نہ چھوڑا جا سکے۔ اس کے ساتھ کچھ ایسی یادیں وابستہ ہوتی ہیں کہ یہ خطرہ بدستور موجود ہوتا ہے کہ پھر وہ چیز لوگوں میں دوبارہ آ جائے گی۔(۳۴)

نفاذِ دین میں تدریج کی اس تمام تر حکمت عملی میں اہم ترین مشکل آج کل کی حکومتوں کی پالیسی ہے جن کا معاملہ ''رکھ لیا ایک اچھا سا نام اور مسلمان ہو گئے'' والا ہے۔ دوسرا ہماری ''مذہبی جماعتوں'' بالخصوص سیاسی مذہبی احزاب کا رویہ ہے جن کے پاس خالی خول نعروں کے سوا کچھ نہیں، بس ایک جماعتی عصبیت ہے جو ''نظریاتی'' سے

زیادہ مفاداتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ جماعتیں عوام کی اصلاح سے مدت ہوئی سبکدوش ہو چکی ہیں تربیت وتزکیہ کا کوئی مربوط عملی پروگرام ان کے پاس نہیں۔ اور اب یہ دین کی محنت وسعی کئے بغیر اس کے ثمرات سمیٹنے کی متمنی ہیں۔ نتیجتاً دین کے نام پر فرقہ وارانہ گروہ وجود میں آ رہے ہیں جن کی بہت سی توانائیاں باہمی تخالف وتحاسد پر ہی خرچ ہو رہی ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ کوئی گروہ یا پارٹی جب بھی تعلیم وتربیت، تبدیلی اذہان اور تزکیہ نفوس کے نبوی ﷺ نہج سے ہٹ کر ''اقامت دین'' کا کام کرے گی اور قلوب و اذہان کی تربیت کے بنیادی عنصر کو نظر انداز (By Pass) کردے گی اور سیاست مروجہ کے ''نفعِ عاجلہ'' ہی کی آرزومند رہے گی تو اس کیلئے آج کے معاشرے میں کامیابی از حد مشکل ہے۔ ایسی جماعتوں کی سعی وکوشش سے کوئی ضمنی یا عارضی تبدیلی تو آ سکتی ہے لیکن اجتماعی و مستقل تبدیلی کی توقع از حد مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے ذرائع وتقاضے ہی جب پورے نہیں کیے گئے تو پھر نتائج کی توقع چہ معنیٰ؟ جب خود فرد ہی اپنے پر نفاذ شریعت کا حوصلہ نہ رکھے تو پھر کونسی تبدیلی اور کس طرح؟ جب جماعتوں کے اندر بھی احتساب وتنقید کا عملی نظام نہ ہو چاہے احتساب وغیرہ ایسے لفظوں کی کتنی ہی تکرار کیوں نہ ہو۔ نیز ''تقدس'' اور ''امارت'' کے بل پر بھی کوئی دیرپا و موثر تبدیلی نہیں آیا کرتی۔

رہی ''حکومتوں'' کی بات تو وہ بھی ہمارے بھائی بند ہیں۔ ان کی تبدیلی کی ''کوششیں'' بھی جاری رکھی جائیں۔ کیونکہ حکومتیں بھی بالعموم عوام کے اذہان ورجحانات کا خیال رکھتی ہیں۔ ان حکومتوں کی اصلاح کے لیے کوئی بھی مناسب انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ تزکیہ ہو یا انتباہ اور کلمۂ حق کا اظہار ہو یا ظالمانہ اقدامات کی مذمت اور ان کا مقابلہ۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب ہم عوام کے قلوب واذہان کے اندر اسلامی شعائر سے محبت اور عبادات و اسلامی اخلاق ومعاملات سے عملی تعلق جس قدر بڑھتا جائے گا جابر حکمرانوں اور بے دین امراء سے بے زاری اس قدر بڑھے گی اور صالح قیادت کو متبادل کے طور پر آنے کا موقع ملے گا۔ ہم اب تک انہیں ''العوام کالانعام'' سمجھ کر نظر انداز کرتے رہے۔ ان کی تربیت کا کوئی مربوط عملی پروگرام ہمارے یہاں مرتب نہیں کیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ نفاذِ شریعت کی ذمہ داریوں کیلئے افرادِ کار تیار کرنے کا نظم بھی نہیں تشکیل دیا گیا۔ کوئی ٹھوس و مربوط منصوبہ بندی اس حوالے سے نہیں کہ کس کس شعبے میں کس کس انداز کی تبدیلی کس طرح سے لائی جائے گی۔

عقائد کی پختگی، ذوقِ عبادت، جذبہ خدمت اور شعور وادراک کی گہرائی کے حامل افراد کی تیاری وکردار سازی کی مربوط ومنظّم سعی ہی نہیں کی گئی حالانکہ یہی لوگ تدریجی نہج پر عمل پیرا ہو کر حقیقی مؤثر اور دیرپا تبدیلی لا سکتے

ہیں۔ اور اس کے سبب ہی نفاذ شریعت کے برکات اور اس کے اثرات حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ ادھر کچھ لوگ جلد از جلد برسر اقتدار آنا چاہتے ہیں، خواہ اس کیلئے انہیں کوئی سا بھی ذریعہ اختیار کرنا پڑے۔ حالانکہ محض ''اوپر'' سے نفاذِ شریعت کے احکام جاری کر دینے سے نتائج نہیں نکلا کرتے۔ جب دل کی بنجر زمین ہی ہموار نہیں کی گئی تو اس پر بیج بکھیرنا اور اس سے پیداوار کی توقع رکھنا کمال درجہ کی سادگی ہے۔

دوسری جانب یہ سوچ پنپ رہی ہے کہ ہمیں اقتدار سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی ہم حکومت چاہتے ہیں۔ وہاں محض ''انفرادی اصلاح'' ہی سارے کام کا مرکزی نقطہ ہے۔ باقی سارے امور انہوں نے ''تقدیر'' کے سپرد کر رکھے ہیں اور کچھ اصاغر مستقل طور پر ''اکابر پرستی'' کا شکار ہیں۔

''بزرگوں کے فرمائے'' کو کافی سمجھ لینا، غور فکر نہ کرنا اور حالات و وقائع کے تقاضوں کو نظر انداز کر دینا۔ نو بنو پیدا ہوتی تبدیلیوں سے اغماض برتنا آخر کہاں کی دانش مندی ہے۔ یہ تو ''افلاس فکر'' کی انتہاء ہے جس کا شکار ہماری سوسائٹی کا ایک مخلص طبقہ بن چکا ہے الا ماشاء اللہ۔

علامہ ابن تیمیہ نے ان دونوں گروہوں اہل حکومت اور مذہبی مسند والوں پر کیا پرحکمت و جامع تبصرہ فرمایا ہے:

''وهذان السبيلان فاسدان سبيل من انتسب الى الدين ولم يكمله بما يحتاج اليه من السلطان والجهاد والمال و سبيل من أقبل الى السلطان والمال والحرب، ولم يقصد بذلك اقامة الدين هما سبيل المغضوب عليهم ولا الضالين''(۳۵)

(یہ دونوں راستے فاسد ہیں، ان لوگوں کا جو دین کی جانب منسوب ہیں لیکن قوت، جہاد اور مال سے (کہ جن کی دین خداوندی کو ضرورت ہے) دین کی تکمیل نہیں کرتے۔ دوسرا راستہ والیان حکومت کا ہے جن کے پاس مال و حکومت موجود ہے لیکن ان کے ذریعہ اقامت دین کا کام نہیں لیتے۔ یہ دونوں راستے ان لوگوں کے ہیں جن پر غضب نازل ہوا۔)

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دین کے اس پرحکمت ''اصول تدریج'' کو اپنے زمانہ و حالات کے ساتھ اس قدر ہم آہنگ کر دیا جائے کہ عوام کیلئے اسلام کا کوئی قانون اجنبی نہ رہے۔ وہ نہ صرف اس قانون کو قبول کرنے پر آمادہ ہوں بلکہ ان کے اندر عملاً قوانین اسلامی کے نفاذ کی شدید تڑپ پیدا ہو جائے اور یہ آمادگی اور تڑپ تعلیم و

تربیت اور تزکیہ نفوس اور اجتماعی شعور کے مرحلے کو طے کئے بغیر ممکن نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ جس طرح زمین کو فضول جڑی بوٹیوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف کرنے کے بعد ہی اس میں بیج کی بارآوری کی توقع کی جاسکتی ہے بعینہ افراد کے قلبی و ذہنی میلانات کو تبدیل کئے بغیر معاشرے میں نفاذِ شریعت کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس میں ہر ہر طبقے کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ خود توصیفی کے یہودی مرض (وَيُحِبُّوْنَهٗ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا) (۳۶) سے نجات کی شعوری و عملی کوشش کر کے عمل، جرأت اور خود احتسابی کے اقدامات پر آنا ہوگا، تبھی یہ مرحلہ طے ہوسکتا ہے اور نفاذِ شریعت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوسکتا ہے وگرنہ ہم آرزوؤں کے سراب میں بھٹکتے رہیں گے۔ (یحسبہ الظمان ماء) آخر کب تک ہم اس اجتماعی ذلت کا جواب نفاذِ شریعت کی بجائے ''پدرم سلطان بود'' کہہ کر دیتے رہیں گے۔

ٹھوس حقیقت یہ ہے کہ خود شکستگی و خود فریبی کے اس رویے کو بدل کر ہی حقیقت پسندی، منصوبہ بندی اور جرأتِ فکر و عمل کے ساتھ ''بتدریج'' ذہن سازی و تزکیہ نفوس و قلوب کر کے اسلامی قوانین کے تخم کو بارآور کیا جاسکتا ہے۔ یہ کسی ایک آدھ عمل کی ''تعجیل'' سے ممکن نہیں بلکہ اس انقلاب کیلئے بھی طویل اور مسلسل محنت بھی درکار ہوا کرتی ہے تبھی ''الفجر'' کا دیرپا و مؤثر اور ہمہ گیر اجالا پھیلا کر کفر و جہالتِ جدیدہ کی اندھیریوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

حوالہ جات وحواشی

۱- (ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جب نماز فرض کی تو سفر وحضر میں دو دو رکعتیں تھیں۔ پھر سفر کی نماز تو اپنی اصلی حالت میں رکھی گئی اور حضر کی نماز میں اضافہ کر دیا گیا۔) بخاری محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکہ مصطفے البابی الحلبی، مصر، کتاب الصلوۃ، باب کیف فرفت الصلوۃ فی الاسراء۔

۲- صدیقی، یٰسین مظہر، محمد، ڈاکٹر، مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، نشریات، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۸ء، صفحہ: ۸۵۔

۳- تفسیر القرآن العظیم، حافظ عماد الدین ابن کثیر، البقرہ: ۱۸۳۔

۴- محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر، بیروت، ج: ۱، ص: ۱۱۵، تحصیل زکوٰۃ کیلئے آپ ﷺ نے مختلف اطراف میں عاملین کو مقرر فرمایا۔ اس سلسلہ میں معاذ بن جبل کا واقعہ مشہور ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اذھبھا الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ فان اطاعوا لذالک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم خمس صلوٰت فی کل یوم و لیلۃ فان ھم اطاعوا لذالک فاعلمھم ان اللہ افترض علیھم صدقۃ فی اموالھم یوخذ من اغنیائھم و ترد علی فقرائھم (بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ۔)

۵- ایضاً

۶- التوبہ: ۹: ۱۳۰

۷- التوبہ: ۹: ۳۴

۸- مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء، صفحہ: ۴۵۷۔

۹- الدستور القرآنی، ص: ۱۰۰، بحوالہ احکام شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، ص: ۵۱۔

۱۰- یٰسین مظہر صدیقی لکھتے ہیں: ''اپنے مبادی اور اصول اور احکام و عقائد کے لحاظ سے متحدہ و واحد دین ہونے کے باوجود مکان و زمان کے فرق نے فروع میں ضرورتِ مسلمین اور مصالحِ الٰہی کی بنا پر فرق پیدا کیا اور تمام انبیاءِ کرام اور مرسلینِ عظام کے اسلام میں اسی طرح اصول و مبادی کا اتفاق پایا جاتا ہے .... دینِ اسلام کے تمام اصول و مبادی اور عقائد و احکام تمام پیغمبرانہ شریعتوں میں یکساں تھے۔'' مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء صفحہ: III-IV۔

۱۱- بخاری، کتاب الزکوٰۃ، تفصیل کیلئے دیکھئے طبری، حالات منکرین زکوٰۃ فی عہد ابی بکر۔

۱۲- محمد بن سعد، طبقات ابن سعد، جلد ۳، صفحہ: ۲۰۵۔

۱۳- جوزی، ابن، امام، تاریخ عمر بن عبدالعزیز، مطبوعہ بیروت، صفحہ: ۲۷۰۔

۱۴- حوالہ سابق، صفحہ: ۲۷۵۔

۱۵- حوالہ سابق، صفحہ: ۲۸۰۔

۱۶- اس معاملے میں ملی سطح پر ''رابطہ عالم اسلامی'' یہ فریضہ سرانجام دے سکتا ہے۔ ہر اہم ملک میں اس کی شاخیں موجود ہیں اور اس ادارے نے متعدد حوالوں سے بڑا قابل قدر کام بھی کیا ہے اور ہماری پیش کردہ تجاویز پر عملدرآمد اس ادارہ کے حوالہ سے نسبتاً آسان تر ہے۔ انڈیا میں مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کے زیر اہتمام اسلامی فقہ اکیڈمی متعدد اہم مسائل پر بڑے جامع

قسم کے سیمینارز کروا چکی ہے۔ اس سے علماء کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ پاکستان کے معاملے میں ''اسلامی نظریاتی کونسل'' ایک ایسا ادارہ ہے اگر اس میں ذیل کی چند تبدیلیاں لائی جائیں:

اولا: اسے اتنے وسائل فراہم کئے جائیں کہ وہ زیر نظر مضمون میں پیش کی گئی تجاویز پر عمل پیرا ہو سکیں۔

دوم: قانونی طور پر پارلیمنٹ اس کونسل کی پیش کردہ سفارشات پر بحث و تمحیص کر کے ترامیم و تجاویز کرے لیکن اسے محض ''پارلیمانی زور'' کی بنیاد پر اس ادارہ کی تجاویز و سفارشات کو مسترد کرنے کا حق نہ ہو۔

سوم: اس علمی و تحقیقی ادارے کو سیاسی تقرریوں کی ''آلودگیوں'' سے پاک کر کے اس کا صحیح تشخص قائم کیا جائے۔

۱۷- ابن قیم جوزیہ، اعلام الموقعین، مطبوعہ شام، جلد۳، صفحہ:۴۳۔

۱۸- ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، صفحہ:۱۱۵۔

۱۹- تقی امینی محمد مولانا، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، الفیصل، لاہور، ص:۹۸۔

۲۰- بحوالہ:، احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، صفحہ ۹۸-۱۰۰۔

۲۱- سرخسی، امام شمس الدین، المبسوط، جلد۲۴، صفحہ:۳۶۔

۲۲- الاحکام، صفحہ:۲۰۷، نیز المحلیٰ میں ابن حزم فرماتے ہیں: ''وجائز ان یبلغ بہ ماراہ محلی، جلد۱۱، صفحہ:۴۰۱۔

۲۳- جامع التحریر، صفحہ:۱۰۹؛ بحوالہ: احکامِ شرعیہ میں حالات و زمانہ کی رعایت، صفحہ:۹۸-۱۰۰۔

۲۴- ابن تیمیہ، تقی الدین، السیاسۃ الشرعیہ، دارالقلم، بیروت، صفحہ:۷۸۔

۲۵- ابن حزم اندلسی، المحلیٰ، جلد۶، صفحہ:۱۰۵۔

۲۶- ، السیاسۃ الشرعیہ، صفحہ:۲۰۔

۲۷- اعلام الموقعین، جلد۳، صفحہ:۳۷۔

۲۸- الجوامع فی السیاست الالٰہیہ، صفحہ:۶۱۔

۲۹- ابن قیم الجوزیہ، امام، اعلام الموقعین، مطبوعہ شام، جلد۳، صفحہ:۴۳۔

۳۰- مسلم الجامع الصحیح، باب نقض الکعبہ و بنائها۔

۳۱- شاطبی، علامہ، الموافقات، جلد دوم، صفحہ:۹۴۔

۳۲- تدریج، اس کی حکمت، فلسفہ، مراحل اور متعلقہ مباحث سمجھنے کیلئے بالخصوص دیکھئے: علامہ شاطبی کی ''الموافقات''، شاہ ولی اللہ کی ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اور ''بدور البازغۃ''، شاہ اسماعیل شہید کی ''عبقات'' اور ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی کی ''مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء''۔

۳۳- معارف القرآن، جلد۱، صفحہ:۴۷۱۔

۳۴- غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات سیرت، الفیصل پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۹۸، ۹۹۔

۳۵- السیاسۃ الشرعیہ، صفحہ:۴۰۷۔

۳۶- آل عمران ۳:۱۸۸

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆